© rasailojaraid.com

باب الفتاوی

تارکِ نماز ، تارکِ جماعت

فتوی سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن بازؒ — انتخاب: الشیخ عبداللہ ندیمؒ

سوال: میں رات دیر تک پڑھائی میں مصروف رہتا ہوں۔ پھر صبح سات بجے الارم پر اٹھ کر صبح کی نماز پڑھتا ہوں۔ چھٹی کے دنوں میں الارم نہیں لگاتا اور تقریباً بارہ بجے اٹھ کر نمازِ فجر پڑھتا ہوں۔ باقی چار نمازیں وقت پر پڑھتا ہوں؛ لیکن باجماعت ادا کرنے کی پابندی نہیں ہوتی۔ اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

جواب: جو شخص نمازِ فجر سورج نکلنے کے بعد ہی ادا کرنے کی نیت سے الارم لگا کر سوتا ہے، وہ یقیناً تارکِ صلاۃ ہے؛ کیونکہ اللہ پاک نے ہر نماز اس کے مقرر وقت میں فرض کی ہے۔ تارکِ صلاۃ بالاجماع سنگین منکر کا مرتکب ہے۔ صحابہ کرامؓ سمیت فقہائے اسلام کی ایک جماعت اسے کافر مرتد قرار دیتی ہے اور جمہور فقہاء اسے فاسق کہتے ہیں۔

کافر کہنے والوں کی دلیل صحیح وصریح حدیث ہے: "**بین الرجل وبین الکفر والشرک ترک الصلاۃ**" [مسلم الایمان ح ۸۲ عن جابرؓ] "کفر و شرک اور مسلمان بندے کے درمیان فرق نماز کا چھوڑنا ہے۔" "**العهد الذی بیننا وبینهم الصلاۃ فمن ترکها فقد کفر**" [صحیح سنن ابن ماجه ۸۸٤، ترمذی ۲٦۲۱ وقال حسن صحیح غریب] "ہمارے اور کافروں کے درمیان عہد نماز ہے، جس نے اسے چھوڑا اس نے کفر کیا۔" عبداللہ بن شقیقؒ کہتے ہیں: "صحابہ کرامؓ نماز کے سوا کسی عمل کے ترک کو کفر نہیں کہتے تھے۔" [ترمذی الایمان باب ۹ ح ۲٦۲۲]

اسی طرح نماز کو باجماعت ادا کرنے میں کوتاہی بھی منکر ہے۔ اور یہ جائز نہیں؛ بلکہ مکلف پر مسجد میں باجماعت ادا کرنا واجب ہے۔ دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ابن ام مکتومؓ کو نابینا ہونے کے باوجود اذان سننے کی صورت میں مسجد میں ہی حاضر ہونے کا حکم دیا۔ [متفق علیه]

ابن عباسؓ وغیرہ متعدد صحابہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "**من سمع النداء فلم یأته فلا صلاۃ له إلا من عذر**" [سنن ابن ماجه ۷۹۳ وصححه الألبانی] "جس نے اذان سنی اور باجماعت نماز کے لیے نہ آیا تو عذر بغیر اس کی نماز نہیں ہوتی۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بنی الإسلام علیٰ خمسٍ

فرضیت حج وعمرہ فوری یا متأخر؟

ابومحمد عبدالوہاب خان

ہر صاحب استطاعت مکلّف پر حج بیت اللہ کی فرضیت قرآن کریم، احادیث شریفہ اور اجماع امت اسلامیہ سے ثابت ہے۔ اور یہ دین اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ایک ہے۔

عمرہ کے بھی اہم اور افضل عبادت ہونے پر کتاب وسنت کے نصوص صریحہ اور اجماع امت ہے۔ لیکن اس عبادت کے "فرض" یا "نفل" ہونے میں علمائے امت کے دو اقوال ہیں:

(۱) متعدد صحابہ کرام ﷺ، بہت سے تابعین عظامؒ اور جمہور فقہائے ملتؒ کے نزدیک عمرہ بھی فرض ہے۔

قتادہؒ کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق ﷺ نے فرمایا: "یا أیها الناس کتبت علیک العمرة" [المحلیٰ] "لوگو! تم پر عمرہ فرض کیا گیا ہے۔" مسروقؒ حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ سے روایت کرتے ہیں: "أمرتم بإقامة الصلاة والعمرة إلی البیت" [المحلیٰ] "تمہیں نماز اور بیت اللہ کا عمرہ قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔" حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ کا بیان ہے: "لیس مِن خلقِ اللہ أحدٌ إلا وعلیه حجةٌ وعمرةٌ واجبتانِ مَن استطاع إلیه سبیلا، ومَن زاد بعدَهما شیئا فهو خیرٌ وتطوعٌ." [مصنف ابن أبی شیبة ح:۱۳۸۳۵] "اللہ پاک کی مخلوق (مکلفین) میں سے ہر ایک پر ایک حج اور ایک عمرہ واجب ہے، جس کو وہاں تک کا سفر میسر ہو۔ اور جو اس کے بعد کچھ بڑھائے تو زیادہ بہتر ہے اور نفل ہے۔" کسی نے حضرت زید بن ثابت ﷺ سے پوچھا: میں نے حج سے پہلے عمرہ کیا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا: "نسکانِ لِله علیکَ، لا یضرک بأیهما بدأتَ." [المصنف ح:۱۳۸۴۰] "اللہ کی طرف سے تم پر لازم دو عبادتیں ہیں، ان میں سے تو جو بھی پہلے ادا کرے کوئی حرج نہیں۔" حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ سے بھی منقول ہے: "نسکانِ لِله علیک لا یضرک بأیهما بدأتَ." [المصنف ح:۱۳۸۴۶] تابعین عظام میں سے عبداللہ بن شداد، سعید بن المسیب، سعید بن جبیر، مسروق، علی بن الحسین زین العابدین، ہشام بن عروہ، نافع مولی ابن عمر، عطاء بن ابی رباح، طاؤس، حسن بصری، مجاہد بن جبر، محمد بن سیرین، عامر الشعبی رحمة اللہ علیهم فقہائے امت میں سے سفیان بن سعید الثوری، اسحاق بن ابراہیم (ابن راہویہ) اور محمد بن ادریس الشافعی اور امام احمد ابن حنبل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رحمهم الله سب نے عمرہ کو "واجب" قرار دیا ہے۔[دیکھیے: مصنف ابن أبی شیبة باب من قال بوجوب العمرة ، المحلی لابن حزم، سبل السلام ۲/۱۷۸]

امام ابن حزمؒ کہتے ہیں: کسی بھی صحابی سے اس کے خلاف فتویٰ ثابت نہیں ہے؛ سوائے معیارِ صحت سے گری ہوئی ایک روایت کے جسے ابو معشر نے ابراہیم نخعیؒ کی وساطت سے عبداللہ بن مسعودؓ سے بیان کی ہے: "العمرة تطوع" [مصنف ابن أبی شیبة ح:۱۳۸۲۸، المحلیٰ کتاب الحج باب اول ۷/۴۱-۴۲] ابن حزمؒ مزید کہتے ہیں: ابن مسعودؓ سے بھی صحیح روایت اس کے خلاف ہے۔ اور ہم عمرہ کو نفل کہنے والوں کے لیے تابعین میں سے بھی ابراہیم نخعیؒ کے علاوہ کوئی پیشرو نہیں جانتے۔ امام شعبیؒ سے بھی ایک روایت اسی طرح ہے؛ لیکن ان کا بھی صحیح قول اس کے مخالف ہے۔

حماد بن ابی سلیمانؒ (امام ابوحنیفہؒ کے استاد) نے اس مسئلے میں توقف کیا ہے۔[المحلی ۷/۴۱-۴۲، سبل السلام کتاب الحج باب فضله ۲/۱۷۸]

ڈاکٹر زحیلی کہتے ہیں: حنابلہ امام صاحبؒ سے روایت کرتے ہیں کہ اہل مکہ پر عمرہ واجب نہیں ہے۔ اور ان کی دلیل یہ ہے کہ عبداللہ بن عباسؓ عمرہ کو واجب ماننے کے باوجود فرماتے تھے: "یا أهل مكة ليس عليكم عمرة ؛ إنما عمرتكم الطواف بالبيت" "اے مکہ والو! آپ لوگوں پر عمرہ لازم نہیں ہے؛ آپ لوگوں کا عمرہ تو صرف بیت اللہ کا طواف ہے۔"[الفقه الإسلامی وأدلته، کتاب الحج والعمرة]

دلائل وجوب:

(۱) فرمانِ الٰہی: ﴿وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ﴾ [سورة البقرة ۱۹۶] "اور حج وعمرہ کو اللہ تعالیٰ (کی رضا) کی خاطر مکمل کرلو۔" ترجمانِ قرآن عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے: "إنها لقرينة الحج فی کتاب الله" [معالم التنزیل، تفسیر اللباب لابن عادل] "بیشک یہ کتاب الٰہی میں حج کے ساتھ مذکور ہے۔"

(۲) ابورزین لقیط بن عامرؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! بیشک میرے والد صاحب بہت بوڑھے ہیں، وہ حج، عمرہ بلکہ کوئی سفر ہی نہیں کرسکتا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "احجج عن أبيك واعتمر" [أحمد ۴/۱۰، أبوداؤد ۲/۴۰۲، الترمذی ح:۹۳۰ وقال: حسن صحیح،۳/۲۷۰، النسائی ۵/۱۱۱، ابن ماجه ۲/۹۷۰] "اپنے باپ کی طرف سے حج اور عمرہ ادا کرلو۔"

(۳) یحییٰ بن یعمرؒ نے عبداللہ بن عمرؓ سے عقیدۂ تقدیر کے بارے میں سوال کیا، عبداللہؓ نے جواب میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی حدیث جبریل پیش کی۔ امام بیہقیؒ کا بیان ہے کہ الحجاج بن الشاعر عن یونس بن محمد کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: "......وتحج البيت و تعتمر و تغتسل من الجنابة و تتم الوضوء و تصوم رمضان......" "اور تو بیت اللہ کا حج اور عمرہ ادا کرے، غسل جنابت کرے، وضو مکمل کرے......" بیہقی کہتے ہیں: امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں حجاج عن یونس کی سند سے روایت لائی ہے؛ مگر متن بیان نہیں کیا ہے۔ [السنن الکبریٰ ٤/ ٣٤٨]

(ج) الصبی بن معبدؒ نے امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کہا: "بیشک میں نے اپنے اوپر حج اور عمرہ کی فرضیت کو جان لیا، تو میں نے ان دونوں کے لیے ایک ساتھ نیت باندھ لی۔" آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "هديت لسنة نبيك" [أبو داؤد ٢/ ٣٩٤، النسائي ٥/ ١٤٦-١٤٧] "تجھے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کی توفیق نصیب ہوئی۔"

عمرہ کو نفلی عبادت شمار کرنے والوں میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، شعبی، ابوثور، ابوحنیفہ نعمان بن ثابت اور مالک بن انس رحمة الله عليهم شامل ہیں۔

دلائل عدم وجوب: اس قول کے قائلین بعض صریح ترین مرفوع روایات پیش کرتے ہیں:

(۱) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: کیا عمرہ واجب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: "**لا، وأن تعتمر خيرٌ لكَ**" [أحمد ٣/ ٣٥٧، الترمذي ح: ٩٣١ وقال حسن صحيح، ثم نقل عن الشافعي أنه ضعفه ٣/ ٩٣١، مصنف ابن أبي شيبة ح: ١٣٨٢٦، السنن الكبرىٰ للبيهقي ٤/ ٣٤٨] "نہیں؛ لیکن عمرہ ادا کرنا تیرے لیے بہتر ہے۔"

بیہقی نے کہا: اس روایت میں محفوظ تو جابر رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے۔ اور جابر رضی اللہ عنہ سے اس کے خلاف بھی روایت ہے؛ لیکن دونوں ضعیف ہیں۔ [السنن الکبریٰ ٤/ ٣٤٨-٣٤٩] ابن حزمؒ نے کہا: اس میں حجاج بن ارطاۃ ضعیف راوی ہے۔

(۲) حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "**الحجُ جهادٌ والعمرةُ تطوعٌ**" [ابن ماجه المناسك باب ٤٤ ح: ٢٩٨٩، المحلیٰ، وضعفه الألباني في ضعيف ابن ماجه ١/ ٢٣٣] "حج ایک جہاد ہے اور عمرہ نفل ہے۔"

(۳-ج) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ دونوں سے بھی مرفوعاً روایت ہے: "الحجُ جهادٌ والعمرةُ تطوعٌ" [المحلیٰ] ابن حزمؒ نے تینوں روایتوں کو عبدالباقی بن قانع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔ یہ شدید مختلف فیہ راوی ہے، اختلاط کا شکار بھی ہوا تھا۔ [دیکھو: لسان الميزان ١٥٣٦]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(د) ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "من مشى إلى صلاةٍ مكتوبةٍ فهي كحجةٍ ومن مشى إلى صلاة تطوعٍ فهي كعمرةٍ تامةٍ" [المحلیٰ وضعفه] "جو فرض نماز کی طرف چلا تو یہ حج کی طرح ہے اور جو نفل نماز کی طرف گیا وہ ایک مکمل عمرہ کی طرح ہے۔" دوسری روایت میں ہے: "فرض نماز کی طرف جانا ثواب کے لحاظ سے حج کے برابر اور نمازِ چاشت کی طرف چلنا ثواب میں عمرہ کے برابر ہے۔" [المحلیٰ]

ترجیح:

قول اول کے دلائل کی صحت اور قول ثانی کے دلائل کے ضعف کی وجہ سے عمرہ کا وجوب راجح ہے۔ واللہ اعلم

فرضیت حج وعمرہ فوری ہے یا متأخر؟

جب عاقل بالغ مسلمان کو بیت اللہ شریف تک جانے آنے کے اخراجات میسر ہو جائیں تو کیا فوری طور پر یعنی اسی سال حج وعمرہ کی ادائیگی فرض ہے یا بغیر شرعی عذر کے تأخیر کرنے کی اجازت ہے؟ علمائے ملتِ اسلامیہ اس مسئلے میں دو مختلف رائے رکھتے ہیں۔

ایک رائے یہ ہے کہ واقعی اس کو گنجائش میسر ہونے کے پہلے سال ہی اس اہم عبادت سے سبکدوش ہونا فرض ہے اور بلا عذرِ شرعی اگلے سالوں تک تأخیر کرنا گناہ ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "لقد هممتُ أن أبعث رجالا إلى هذه الأمصار فينظروا كل من كان له جِدَةٌ ولم يحجَّ فَيَضربوا عليهم الجزيةَ، ما هُم بمسلمِينَ، ما هم بمسلمين" [سنن سعيد بن منصورؒ، منتقى الأخبار مع النيل ٤/٣١٧] "یقیناً میں نے پروگرام بنایا ہے کہ ان شہروں کی طرف ایسے افراد کو بھیج دوں جو معلوم کرلیں کہ کس کس نے گنجائش کے باوجود فریضہ حج ادا نہیں کیا ہے؛ تاکہ ان پر جزیہ (ٹیکس) عائد کردیں۔ وہ مسلمان نہیں، وہ مسلمان نہیں۔" ابن شجاع کہتے ہیں: امام ابوحنیفہؒ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص کے پاس شادی کرنے کا مال موجود ہے؛ اسے شادی کرنا چاہیے یا حج؟ آپؒ نے فرمایا: "اسے حج ادا کرنا چاہیے۔" ابن الہمامؒ نے کہا: حج کو شادی پر مطلقاً مقدم رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؒ کے نزدیک حج فوراً ادا کرنا ہی فرض ہے؛ کیونکہ شادی بھی بعض اوقات واجب ہوتی ہے؛ لیکن اگر یہ سوال حج پر روانگی کے وقت کیا گیا ہو تو یہ استدلال ہو سکتا ہے ورنہ نہیں۔ [فتح القدير شرح الهداية ٢/٤١٢]

امام ابو یوسفؒ کے نزدیک فوری ادائیگی فرض ہے اور یہی احناف کا مسلک ہے۔ [فتاوى عالمگيريه ١/٢١٦، المنتزع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

المختار ٢/٦١، كشف الحقائق ١/١٢٦، الكفاية ١/١٥٦]

ابن القصار اور اہل عراق کی روایت ہے کہ امام مالک بن انسؒ سے پوچھا گیا: شادی کے شدید حاجت مند شخص کے پاس شادی کا خرچہ میسر ہے۔ اسے حج کرنا چاہیے یا شادی؟ آپؒ نے فرمایا: ''اسے پہلے حج ہی ادا کرنا چاہیے۔'' [البيان والتحصيل ٣/٤٤٨، شرح فتح الجليل ١/٤٣٣] **محمد علیش** نے کہا: حج تأخیر سے فرض ہونا راجح اور فوراً ادا کرنا راجح تر ہے۔ اور یہی اکثر مالکیہ کا مذہب ہے۔ [فتح العلي المالك ١/١٨١، تنوير الحوالك ٣/٣٩٦، شرح فتح الجليل ١/٤٣٣، حاشية الدسوقي ١/٤٩٤] **امام شافعیؒ کے بعض شاگردوں اور امام مزنیؒ کا مذہب بھی حج کی فوری فرضیت ہے۔** [بذل المجهود ٨/٣١٢، عون المعبود ٥/١٥٧، نيل الأوطار ٤/٣١٨، روضة الطالبين ٣/٣٣] **امام داؤد ظاہریؒ اور علی ابن حزمؒ کا مذہب بھی یہی ہے۔** [المحلى ٧/٥٣] **اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ** اور امام شوکانیؒ کا میلان بھی اسی جانب ہے۔ [مجموع فتاوى شيخ الإسلام ٢٥/١٤٠، ٢٦/٢١، ٢٧/٢٦٥، الإنصاف في معرفة الراجح ٣/٤٠٤]

حج کی فوری فرضیت کے قائلین نے درج ذیل دلائل سے استدلال کیا ہے:

[1] فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلاً وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝﴾ [آل عمران ٩٧] **''لوگوں پر اللہ کی خاطر بیت اللہ شریف کا حج فرض ہے جس کو بھی اس کی طرف سفر کی استطاعت ہو۔ اور جو کوئی کفر کرلے تو بیشک اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔''**

علماء کا بیان ہے: **لام** کے ساتھ **علیٰ** آنا اَمر (حکم) کی شدید ترین تعبیر ہے۔ اور حکم فوری تعمیل پر دلالت کرتا ہے؛ کیونکہ فعل کے لیے زمانہ ناگزیر ہے، جب زمانے کا ذکر نہیں آیا تو اس کا وقت حکم صادر ہونے کے بعد اوّلین فرصت ہے۔ اس بات پر اہل زبان کا اتفاق ہے۔

قاضی عبدالوھاب مالکیؒ نے کہا: ''یہ دلیل ہے کہ مطلق حکم جلد ادائیگی کا فائدہ دیتا ہے، تأخیر کو روکتا ہے اور جلدی ادائیگی کے لیے کسی قرینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔'' [الإشراف على مسائل الخلاف ١/٢١٧-٢١٨]

امام طبریؒ نے سدیؒ کی تفسیر بیان کی ہے: ﴿مَنْ كَفَرَ﴾ سے مراد یہ ہے کہ جو گنجائش کے باوجود حج ادا نہ کرے وہ کافر ہے۔ [جامع البيان ٤/٢١]

[2] عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تعجلوا إلى الحج - يعني

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الفريضة – فإنّ أحدكم لا يدرى ما يعرضُ له" [أحمد ١/٣١٤، الترغيب والترهيب ٢/١٦٨، وصححه الألباني في صحيح الجامع ٢٩٥٧] "فریضہ حج کی ادائیگی میں جلدی کرو؛ یقیناً تم میں سے کوئی نہیں جانتا کہ اسے کیا رکاوٹ پیش آنے والی ہے۔" اور ایک روایت میں ہے: "مَن أرادَ الحجَّ فليتعجلْ" [أحمد ١/٢٢٥، أبوداؤد ٢/٣٥٠، الدارمي ٢/٢٨، الحاكم ١/٤٤٨، البيهقي ١/٣٣٩ وحسنه الألباني] "جو کوئی حج کا ارادہ کرے اسے جلدی کرنا چاہیے۔"

عبداللہ رضی اللہ عنہ یا ان کے بھائی فضل بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مذکورہ حدیث میں یہ بھی ارشاد فرمایا: "فإنه قد يمرضُ المريضُ و تضلُّ الضالةُ وتعرضُ الحاجةُ" [أحمد ١/٢١٤، ابن ماجه ٢/٩٦٢، تحفة الأشراف ٨/٢٦٦، وحسنه الألباني في صحيح ابن ماجه ٢/١٩٠] "..... کیونکہ کبھی بندہ بیمار ہو جاتا ہے، اور کبھی چیز (سواری وغیرہ) گم ہو جاتی ہے، اور کبھی ناگزیر ضرورت پیش آ سکتی ہے۔"

[3] حجاج بن عمرو رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "مَن كسرَ أو عرجَ فقد حلَّ، وعليه الحجُّ مِن قابلٍ" [أحمد ٣/٤٥٠، الدارمي ٢/٦١، أبوداؤد ٢/٤٣٣، النسائي ٥/١٩٨، ابن ماجه ٢/١٠٢٨، وصححه الألباني في صحيح ابن ماجه ٢/١٩٠] "جو شخص (دوران حج) کوئی ہڈی ٹوٹ کر معذور ہو جائے یا لنگڑا ہو جائے، تو احرام کھول دے۔ اور اس پر اگلے سال حج لازم ہے۔"

[4] حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے: "مَن ملكَ زادًا و راحلةً تبلغه إلى بيتِ اللهِ ولم يحجَّ فلا عليه أنْ يموتَ يهوديًا أو نصرانيًا، وذلك لأنّ اللهَ تعالىٰ يقولُ في كتابه ﴿وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلاً ۞﴾ [الترمذي الحج باب٣ ح:٨١٢ وقال: غريب وفي إسناده مقال۔۔ وضعفه الألباني في ضعيف الجامع ٦/٢٥٣] "جو کوئی بیت اللہ تک سفر کے توشہ اور سواری کا مالک ہو اور اس نے حج نہیں کیا تو برابر ہے کہ یہودیت کی موت مرے یا نصرانیت کی؛ کیونکہ اللہ پاک اپنی کتاب میں فرماتا ہے: "**اور لوگوں پر اللہ کا حق ادا کرنا لازم ہے کہ جس کسی کو بیت اللہ تک پہنچنے کی گنجائش ہو وہ اس کا حج کر لے۔**"

[5] یہ دین اسلام کا ایک بنیادی رکن ہے، لہٰذا نماز اور روزے کی طرح فوری طور پر واجب ہوتا ہے۔

[6] حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "من مات ولم يحج بدون عذر شرعي فليمت يهوديا أو نصرانيا" [ابن الجوزي ٢/٢١٠، السيوطي ٢/١١٨ وأشارا إلى ثبوته عنه] "جو کوئی مر جائے اور اس نے شرعی عذر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے بغیر حج ادا نہ کیا ہو، تو اسے یہودی یا نصرانی کی موت مرنا پڑے گا۔" اسی طرح کی روایت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔[الشرح الکبیر ۳/۱۷۶]

[7] غیر معینہ مدت تک تأخیر کے ساتھ فرضیت کا تقاضا ہے کہ حج کیے بغیر مر جانے والا گناہگار نہ ہو، کیونکہ اس کا یہ کام جائز تھا؛ حالانکہ علمائے امت ایسے شخص کے گناہگار ہونے پر متفق ہیں۔ یہ اتفاق تأخیر کے ناجائز ہونے کی دلیل ہے۔ اگر کسی نے کہا کہ ایسا شخص گناہگار نہیں تو وجوبِ حج کی نفی ہوگئی، اور اگر کہا کہ وہ گناہگار ہوتا ہے تو فوری وجوب ثابت ہو جاتا ہے؛ کیونکہ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ وہ موت سے گناہگار ہوا ہے۔[الإشراف ۱/۲۱۸، المجموع ۷/۷۷]

[8] حج کے لیے سال میں ایک معین وقت ہے۔ اور ایک سال کے اندر موت آنا کوئی نادر واقعہ نہیں۔ اور موت کی کوئی ایسی پیشگی علامت نہیں ہوتی، جس کے بعد اس فرض کو ادا کیا جا سکے۔ لہٰذا تأخیر اس کے چھوٹ جانے کا ذریعہ ہے۔ پس اس کی فوری فرضیت کی اصل حقیقت احتیاط ہے، جو اس کی تأخیر میں مانع ہے۔[فتح القدیر لابن الهمام ۲/۴۱۴، الکافی ۱/۵۱۵]

[9] ابن حزمؒ کہتے ہیں: تأخیر کے ساتھ فرضیت اس عمل کو وجوب سے خارج کر دیتا ہے؛ کیونکہ انسان لامتناہی مدت تک تأخیر کر سکتا ہے۔ پھر جو کوئی اس میں ایک دو سال کی حد مقرر کرے، تو اس نے دین اسلام میں باطل (یعنی بلا دلیل) طریقے پر فیصلہ کیا۔[المحلیٰ ۷/۵۳]

حج کی ادائیگی میں جوازِ تأخیر کے قائلین ان دلائل کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں:

{1} "امر مطلق" کی "فوری دلالت" تسلیم شدہ نہیں ہے؛ بلکہ یہ اکثر اصحابِ شافعی کے نزدیک "تأخیر" پر ہے۔ پھر فوری تسلیم کرنے کی صورت میں یہاں یہ قرینہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حج فوراً ادا نہیں فرمایا۔

{2} "من أراد الحج فليتعجل" اس حدیث مرفوع کے کئی جوابات دیے گئے ہیں:

(۱) یہ حدیث ضعیف ہے۔ (بلکہ حدیث حسن ہے۔ کما سبق)

(۲) یہ حدیث تأخیر کی دلیل ہے؛ کیونکہ شارع نے اس عمل کو مکلّف کے ارادے سے مربوط کیا ہے۔ (اس میں ناروا تکلف ہے۔)

(۳) یہ حکم وجوباً نہیں، استحباباً ہے۔ کیونکہ نبی ﷺ اور اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل وجوب سے پھیرنے میں مؤثر ہے۔

{3} (۱) ابتداءً واجب ہونے اور حج فاسد کی قضا میں فرق ہے۔ پس جس کا حج فاسد ہو جائے، اس کو اگلے برس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہی یہ فریضہ ادا کرنا پڑے گا۔ اس مسئلے میں کلام الٰہی ﴿وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ﴾ سے بھی استدلال کیا جا سکتا ہے کہ حج اور عمرہ شروع کرنے پر فرض ہو جاتے ہیں اگرچہ نفل ہوں۔

(۲) دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں: "مَن كسرَ أو عرجَ فقد حلَّ، وعليه حجةٌ أخرى" یعنی (سال کی تعیین کے بغیر) اس کے ذمے ایک حج ہے۔ راوی عکرمہ کہتا ہے "میں نے یہ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کو پیش کی تو دونوں نے اس کی تصدیق کی۔" [صحيح سنن الترمذي ١/٢٧٨، صحيح سنن ابن ماجه ٢/١٩٠]

{4} (۱) "......فلا عليهِ أنْ يموتَ يهوديًا أو نصرانيًا......" یہ حدیث ضعیف ہے۔ اور امام شوکانیؒ کا اسے کثرت طرق سے کم از کم حسن قرار دینا [النيل ٤/٣١٨] درست نہیں ہے؛ کیونکہ اس کی اکثر اسانید میں کذاب اور متہم راوی ہیں۔ اس لیے ابن الجوزیؒ نے اسے موضوعات میں ذکر کیا ہے۔ [الموضوعات ٢/٢١٠]

(۲) یہ مذمت موت تک تأخیر پر ہے۔ کیونکہ اس فرض کو زندگی میں ایک مرتبہ بجالانا فرض ہے۔

(۳) امام طبریؒ نے ﴿وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ﴾ کی تفسیر میں ترجیح دی ہے کہ اس سے مراد حج کی فرضیت سے انکار ہے۔

{5} حضرت عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ کا قول بھی سنداً ثابت نہیں ہے۔ پھر تاریخ سے اس کی تنفیذ کا ثبوت بھی نہیں ملتا۔

{6} یہ عبادت "زندگی میں" ادا کرنا فرض ہے؛ اس لیے تأخیر کر کے مر جانے والا گناہگار ہوگا۔

{7} ایک سال کے اندر موت عین ممکن ہے، اسی لیے اس فریضے سے جلد از جلد سبکدوش ہونے کی ترغیب وارد ہوئی ہے۔ لیکن انسانی زندگی کے دنیاوی پروگرام کافی سالوں تک وسیع ہوتے ہیں، اسی طرح دینی پروگرام میں بھی مناسب وقت تک تأخیر کی اجازت ہے۔

{8} تأخیر کا جواز فرضیت کے منافی نہیں۔ کیونکہ بلا عذرِ شرعی تأخیر کرتے کرتے مر جانے کی صورت میں بالاتفاق گناہگار ہوتا ہے۔

ادائیگی حج میں تأخیر کو جائز قرار دینے والے: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، ماوردیؒ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے بھی نقل کیا ہے۔ تابعین میں سے عطاء بن ابی رباحؒ، طاؤس بن کیسانؒ، فقہاء میں سے سفیان بن سعید ثوریؒ، مالکیہ میں سے اہل مغرب، محمد بن الحسن الشیبانیؒ، امام شافعیؒ اور ان کے اکثر تلامذہ کا مذہب ہے۔ [المجموع ٧/٧٦، الجامع لأحكام القرآن ٤/١٤٥، نيل الأوطار ٤/٣١٨، تنوير المقالة

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

٣٩٦/٣، الجامع للقرطبي ١٤٤/٤، المنتزع المختار ٦١/٢، الجوهرة النيرة ١٩١/٢، كشف الحقائق ١٢٦/١]

شیخ محمد محفوظ الترمسیؒ نے یہاں تک مبالغہ آرائی کی ہے کہ حج کی فرضیت دراصل تأخیر کے ساتھ ہے۔ اگرچہ وقت تنگ ہو، پھر بھی اس کا حکم نہیں بدلتا۔ (یعنی کوئی حج کے قریب مکہ سے واپس لوٹے، پھر بھی گناہگار نہیں ہوتا۔) [موهبة ذي الفضل ٣٦٧/٤]

قاضی ابو یوسفؒ اور امام احمد بن محمد بن حنبلؒ دونوں سے ایک ایک روایت جواز تأخیر کی ہے؛ جبکہ ان کا مشہور قول عدم جواز ہے۔ [الجامع للقرطبي ١٤٤/٤، عون المعبود ١٥٧/٥، بذل المجهود ٣١٢/٨، المبدع ٩٤/٣، المغني ١٧٤/٣]

حج میں تأخیر جائز ہونے کے دلائل:

[1] فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَ اِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا وَّ طَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَ الْقَآئِمِيْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝ وَ اَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّ عَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ۝﴾ [الحج ٢٦-٢٧] ''اور وہ موقع قابل ذکر ہے جب ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیت اللہ شریف کے جگہ کی نشاندہی فرمائی (اور یہ حکم دیا) کہ میرے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ کر، اور میرے گھر کو طواف اور قیام، رکوع، سجود کرنے والوں کی خاطر پاک صاف رکھ۔ اور لوگوں میں حج (کی مشروعیت) کا اعلان کر، وہ تیرے پاس پیدل اور ہر چھریرے جانور پر دور دراز راستوں سے حاضر ہوں گے۔'' وجہ استدلال یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ مکیہ ہے، جس میں حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن علیہ السلام کی زبان پر حج کی مشروعیت وارد ہوئی ہے۔ ماہرین اصولِ فقہ کے راجح قول کے مطابق پچھلی شریعتیں ہمارے لیے بھی شرعی احکام ہیں، بشرطیکہ ہماری شریعت کے مخالف نہ ہوں۔ [روضة الناظر وجنة المناظر ٤٠٠/١-٤٠٣]

[2] فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ﴾ [البقرة ١٩٦] ''اور حج اور عمرہ کو اللہ کی رضا کے لیے مکمل کرلو۔'' یہ آیت بالاتفاق حدیبیہ کے سال ۶ ہجری کو نازل ہوئی۔ [صحيح البخاري المغازي ح: ٤١٩١] جبکہ رسول اللہ ﷺ نے ۱۰ ہجری میں حج ادا فرمایا۔

[3] فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا﴾ [آل عمران ٩٧] سورة آل عمران، سورة الانفال کے بعد غزوہ احد کے سال ۳ ہجری میں نازل ہوئی۔

[4] سلیمان بن المغیرة عن ثابت البنانیؒ کی سند سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے دین اسلام کے بارے میں جو سوالات کیے، ان میں یہ بھی شامل تھا:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"......وزعمَ لنا رسولُک أنّ علينا حجَّ البيتِ مَن استطاعَ إليه سبيلاً" قال ﷺ: "صدق"...... [صحيح مسلم، الإيمان ١/١٦٩-١٧١] طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کی اسی روایت میں حج کی صراحت نہیں ہے؛ بلکہ اس میں ہے: "فأخبرَه رسولُ اللهِ ﷺ بشرائعِ الإسلامِ......" [البخاری الصوم ح:١٨٩١] "رسول اللہ ﷺ نے اسے دین اسلام کے احکامات بیان فرمائے۔" حضرت ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی آمد کے سال میں ۵، ۷، ۹ ہجری کے درمیان اختلاف ہے۔ [المجموع ٧/٧٨-٧٩]

[5] واقعہ حجۃ الوداع کی تفصیل میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: "إنّ رسولَ اللّٰهِ ﷺ مكثَ تسعَ سنينَ لمْ يحجَّ، ثم أذنَ في الناسِ في العاشرةِ أنّ رسولَ اللهِ ﷺ حاجٌّ؛ فقدمَ المدينةَ بشرٌ كثيرٌ...... حتىٰ إذا كانَ آخرُ طوافِه على المروةِ فقالَ "لوْ أنّي استقبلتُ مِن أمري مَا استدبرتُ لمْ أسقِ الهدىَ وجعلتُها عمرةً، فمنْ كانَ مِنكم ليسَ معَهُ هدىٌ فليحلَّ وليجعلْها عمرةً" فقامَ سراقةُ بنُ مالكٍ فقالَ: يا رسولَ اللهِ! ألِعامِنا هذا أمْ لأبدٍ؟ فشبکَ رسولُ اللهِ ﷺ أصابعَه واحدةٍ في الأخرىٰ وقالَ "دخلتِ العمرةُ في الحجِّ - مرتينِ - لا، بلْ لأبدِ الأبدِ" [صحيح مسلم الحج ٨/١٧٠-١٩٤ ح:١٤٧] "بیشک رسول اللہ ﷺ (مدینہ میں) نو سال ٹھہرے، اس دوران حج نہیں کیا۔ پھر دسویں سال لوگوں میں اعلان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ حج کے لیے تشریف لے جارہے ہیں۔ اب بہت سے لوگ مدینہ اُمڈ آئے...... سعی کے آخر میں مروہ پر پہنچ کر ارشاد فرمایا "اگر مجھے اپنے کام میں وہ بات معلوم ہوتی جو بعد میں سوجھی ہے، تو میں قربانی کے جانور ساتھ نہ لاتا اور ضرور اس کو عمرہ بناتا (یعنی حج تمتع کرتا)۔ پس تم میں سے جس کسی کے ساتھ قربانی کا جانور نہیں اس کو چاہیے کہ حلال ہو جائے اور اسے عمرہ سے بدل دے۔" اس پر سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ حکم صرف اس سال کے لیے ہے یا ہمیشہ کے لیے؟ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں جما کر ارشاد فرمایا: "عمرہ، حج کے اندر داخل ہو چکا ہے، عمرہ، حج کے اندر داخل ہو چکا ہے۔ (یہ حکم صرف اس سال کے لیے) نہیں؛ بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔" حج کی نیت کو عمرہ سے بدلنے کے حکم سے استدلال کیا جاتا ہے کہ حج کا موقع ہونے کے باوجود اس میں تأخیر کی جاسکتی ہے۔ (کیونکہ بندہ عمرہ کر کے احرام سے فارغ ہو جاتا ہے۔ پھر حج کرنا ہو تو نیا احرام باندھنا پڑتا ہے۔)

[6] حج کی فرضیت ہجرتِ مدینہ کے بعد نازل ہوئی۔ نبی کریم ﷺ نے رمضان ۸ ہجری میں مکہ مکرمہ فتح کیا اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شوال کے مہینے میں رسول اللہ ﷺ اور اکثر صحابہ کرام ؓ مدینہ واپس تشریف لائے۔ اور آپ ﷺ نے عتاب بن اسید الاموی ؓ کو مکہ کا گورنر مقرر فرمایا، انہوں نے لوگوں کے لیے حج کی امامت انجام دی۔ پھر رسول اللہ ﷺ اور اصحاب کرام ؓ نے ۹ ہجری میں غزوہ تبوک کیا، اور حج سے قبل تبوک سے واپس تشریف لائے۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو حج کی امامت سونپ کر بھیج دیا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ اور امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن بغیر کسی عذر شرعی کے مدینہ طیبہ میں تشریف فرما رہیں۔ پھر اگلے سال حج کا اعلان فرما کر سب کو ساتھ حجۃ الوداع پر لے گئے۔

[7] ابن عبدالبرؒ، قاضی ابوالطیبؒ اور قاضی حسینؒ وغیرہ نے اجماع نقل کیا ہے کہ حج کی ادائیگی میں تأخیر کرنے والے کو فاسق شمار نہیں کیا جائے گا۔ اور جس نے کئی سال بعد حج کیا وہ ادا ہوگا۔ اگر تأخیر حرام ہوتی تو اس کا حج قضا ہوتا۔ [التمهيد ١٦/١٧٢، جامع البيان للذهبي ٤/١٤٤، المجموع ٣/٧٩، ٨٠]

[8] امام الحرمینؒ نے الأسالیب میں کہا: فرض عبادت کی کئی قسمیں ہیں:

١) ایسی عبادت جو حقیقت میں عملاً پوری زندگی پر محیط ہے۔ یعنی ایمان لانا۔ یہ فوری طور پر فرض ہوتی ہے۔

٢) ایسی عبادت جو دوسروں کی ضرورت سے متعلق ہے۔ یعنی زکاۃ۔ ان کے مفاد کی خاطر فوراً فرض ہوتی ہے۔

٣) ایسی عبادت جس کے لیے وقت مقرر ہے، جس کے بعد ادا نہیں ہوتا۔ مثلاً نماز اور روزہ۔ ان کو مقررہ اوقات میں ہی ادا کرنا فرض ہے؛ وقت گزرنے کے بعد قضا ہوگی۔

٤) ایسی عبادت جس میں پوری زندگی صرف نہیں ہوتی، اس سے دوسرے بندوں کے مفادات وابستہ نہیں ہیں، اور اس کا وقت ہر سال آتا رہتا ہے، اور وہ زندگی بھر میں صرف ایک مرتبہ فرض ہوتی ہے۔ یعنی حج۔ اس کا حکم مطلق اطاعت پر محمول ہے۔

مزید کہا: حج ایسی عبادت ہے جس میں جسمانی مشقت اٹھانا پڑتی ہے، اور اس سفر میں مناسب ساتھی درکار ہوتے ہیں۔ اور یہ امور' طوالتِ سفر کے ساتھ کھلی گنجائش کا تقاضا کرتے ہیں' جسے کسی خاص وقت کے ساتھ محدود نہیں کیا جا سکتا۔ اسی لیے اس عمل کو زندگی بھر سے منسوب کیا گیا ہے، اور یہی تأخیر کا قرینہ ہے۔ [دیکھیے: المجموع ٧/٧٩-٨٠]

فوری وجوب کے قائلین ان دلائل کا یہ جواب دیتے ہیں:

{1} حج بیت اللہ واقعی ملت ابراہیمی کے تحت مشروع تھا۔ لیکن حج کی ارکان اسلام میں شمولیت مستقل شرعی حکم آنے سے ہی ثابت ہوتی ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہجرت سے قبل دو دفعہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حج کیا۔[صحیح ابن خزیمة ٣٥٢/٤]

امام قرطبیؒ نے تعجب کرتے ہوئے کہا: عجیب ترین بات جو میں نے دیکھی کہ رسول اللہ ﷺ نے ہجرت سے قبل دو دفعہ حج کیا تھا، جس سے فریضہ حج ادا ہوگیا۔ اس سے لازم آتا ہے کہ جس نے ملت ابراہیمی پر حج کیا ہو، اس سے فرض ساقط ہوجائے، اور یہ بعید ہے۔[الجامع لأحکام القرآن ١٤٤/٤]

{2} اتمام حج وعمرہ کا حکم ابتدائے فرضیت پر دلالت نہیں کرتا، جیسے کہ امام ابن کثیرؒ نے ترجیح دی ہے۔[تفسیر القرآن العظیم ٣٩٣/١، مجموع الفتاوی ٢٦٥/٢٧]

{3} فرضیت حج کی تاریخ میں اختلاف ہے: ۵، ۶، ۷، ۹ یا ۱۰ ہجری کو نازل ہوئی۔ ۱۰ ہجری کو ترجیح دینے کی صورت میں فوری فرضیت کی راہ مین کوئی رکاوٹ حائل نہیں ہوتی۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے ہجرت کے دسویں سال نزول کو ترجیح دی ہے۔[مجموع الفتاوی ١٦/٧-١٧، عون المعبود ١٥٧/٥، الفقه الإسلامی وأدلته]

{4} حدیث ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں حج کے ذکر پر اختلاف ہے۔ پھر حج کا ذکر محفوظ ہونے کی صورت میں اس واقعے کا ۹ ہجری میں ہونا راجح ہوگا، جو کہ "عام الوفود" ہے۔

{5} زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ہجرت کے بعد ایک حج ادا کیا، جس کے بعد حجۃ الوداع کے علاوہ اور کوئی حج نہیں کیا۔[السنن الکبری للبیهقی ٣٥٢/٤] مجاہدؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہجرت سے پہلے دو مرتبہ حج کیا۔[البیهقی ٣٥٢/٤] ابن الہمام نے حاکمؒ کے حوالے سے ثوریؒ کا قول ذکر کیا ہے کہ آپ ﷺ نے ہجرت سے قبل کئی حج کیے۔ ابن الاثیرؒ کے بقول آپ ﷺ ہجرت سے قبل ہر سال حج کرتے رہے۔ ابن الجوزیؒ کے بقول متعدد مرتبہ حج کیا۔[فتح القدیر ٤١٢/٢-٤١٤، بذل المجهود ٢٩٦/٨] واللہ اعلم

{6} قربانی ساتھ لائے بغیر حج افراد اور حج قران کی نیت کو حج تمتع سے بدلنے کی مشروعیت سے تاخیر کا جواز لازم نہیں آتا۔ اگرچہ عملاً حج تمتع کرنے والا عمرہ کر کے احرام کھول دیتا ہے، لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کی نیت سے آگاہ ہے۔

{7} رسول اللہ ﷺ نے حج کو دسویں سنہ ہجری تک مؤخر کیوں فرمایا؟

(ا) شیخ الاسلامؒ نے کہا: عرب والوں نے ملت ابراہیمی کو اپنی خواہشات کے مطابق بدل ڈالا تھا، ان بدعات میں سے ایک "النسیئ" ہے۔ یعنی سال میں ایک ماہ کا اضافہ کرنا؛ جس سے حج اور حرمت کے مہینے بدل جاتے۔ اس بنا پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا حج دراصل ذوالقعدہ ۹ ھ میں واقع ہوا۔ پھر زمانہ ان کے حساب سے گھوم پھر کر اصلی حالت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں آیا اور ۱۰ھ کو ذوالحجہ میں واقع ہوا، جیسے کہ حجۃ الوداع کے خطبے میں رسول اللہ ﷺ نے اعلان فرمایا۔ اور اللہ پاک نے آیت بھی نازل فرمائی: ﴿إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ مِنْهَا اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ﴾ [التوبة ۳٦] ''بیشک اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی شریعت میں مہینوں کی تعداد بارہ ہے، جس دن سے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا؛ ان میں سے چار حرمت والے ہیں۔ یہی سیدھا دین ہے۔'' [مجموع الفتاوی ۲۵/۱٤۰-۱٤۱]

(۲) مشرکین ننگا ہو کر بیت اللہ کا طواف کرتے تھے، اور ان کے ساتھ معاہدہ تھا۔ پھر ۹ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبانی معاہدے کے خاتمے کا اعلان فرما دیا۔ جب یہ عذر ختم ہوا تو اگلے سال حج ادا فرمایا۔ [المبدع في شرح المقنع ۱/۹۵، الكفاية في شرح الهداية ۱/۱۵٦]

(۳) آپ ﷺ نے اللہ پاک کے حکم سے حج کو ۱۰ھ تک مؤخر فرمایا، تاکہ آپ ﷺ کا حج اُس سال واقع ہو، جس میں مہینوں کا حساب پورا ہوا۔ اور اسی پر حکم جاری ہوا، اور عرفہ کے دن جمعہ بھی آیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس روز تمام ادیان کے عید کا دن تھا، جو کہ اس سے پہلے کبھی جمع ہوا نہ اس کے بعد۔ [المبدع ۱/۹۵]

(٤) بلا عذرِ شرعی تأخیر فرمائی، تاکہ اس کا جواز واضح ہو۔ [المجموع ۷/۷۷-۷۸]

(۵) بلا عذرِ شرعی تأخیر فرمائی؛ کیونکہ آپ ﷺ وحی کے ذریعے جانتے تھے کہ ادائیگی حج اور تکمیل دین تک آپ زندہ سلامت رہیں گے۔ لہٰذا آپ ﷺ کی تأخیر سے حج چھوٹ جانے کا کوئی اندیشہ نہ تھا۔ [فتح القدير شرح الهداية لابن الهمام ۲/٤۱٤]

فوری فرضیت کے قائلین کہتے ہیں:

{1} حج کا ذوالقعدہ ۹ھ میں واقع ہونا - اگر ثابت ہو - کوئی شرعی عذر نہیں ہے؛ کیونکہ اس وقت وہی مشروع تھا۔ یہاں تک کہ اللہ پاک نے اس آیت کے ذریعے منسوخ فرما دیا: ﴿إِنَّمَا النَّسِيْءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ [التوبة ۲۷] ''مہینے کی یہ تأخیر کفر میں زیادتی کے سوا کچھ حقیقت نہیں رکھتی، اسی کے ذریعے کافروں کو گمراہ کیا جاتا ہے۔'' اگر یہ اس وقت مشروع نہ ہوتا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس حج کی امامت کا حکم نہ فرماتے۔

مرعاۃ میں ہے: نسیئہ کے تحت بے وقت حج ۸ھ کو عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کی امامت کے سال ممکن ہے؛ لیکن ۹ھ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت کے سال اس کا کوئی احتمال نہیں۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ انہیں غیر شرعی وقت میں حج قائم کرنے

© rasailojaraid.com